# اللّٰہُ الصَّمد



باباعرفان الحق

# اللّٰہُ الصَّمد


صاحبِ کشف:

عرفان الحق



BABA
PUBLISHERS

ISBN: 969 8718 008

مرتبین — Compilers:

محمد ظفر اقبال — Muhammad Zafar Iqbal

سید حسنین ارشاد — Syed Hasnain Irshad

طبع اول: جولائی-2011

تعداد: 1,000

سرورق: [illegible]

کمپوزنگ: [illegible]

پروف ریڈنگ: [illegible]

پرنٹرز: [illegible]

قیمت: £ 45 - US $ 60 - Pak. Rs. 700



12-B, Wahdat Road, Lahore, Pakistan
Tel: (92-42) 35869050
E-mail: [illegible]
Website: [illegible]



عرفان الحق 14 اگست 1948 کو نجیب آباد، ضلع بجنور، یو۔پی، بھارت کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ پاکستان بننے پر والدین کے ہمراہ جہلم چلے آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ جہلم میں ہی تعلیم حاصل کی اور مسلم کمرشل بینک سے وابستہ ہو گئے۔ سنہ 1992 میں [illegible] کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ 1994 سے مخلوقِ خدا کا روحانی اور جسمانی علاج بذریعہ ذکرِ الٰہی، دعا اور دوا کا شروع کیا جو تا حال جاری ہے۔ 1995 سے ہر جمعرات کو محفل ذکر منعقد کی جاتی ہے۔ آپ ہی کی ریکارڈ شدہ گفتگو اس وقت کتابی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

# فہرست مضامین





# باتیں بابا کی

سب سے پہلی بات دوستوں سے گزارش کروں کہ میں کوئی باقاعدہ قسم کا مقرر یا مبلغ نہیں ہوں۔ جہلم میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے ہمارا ایک چھوٹا سا مرکز ہے، جہاں ہر جمعرات کو اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں وہیں رعب والے یا علمیت بیان کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ میرے نزدیک دین کی جو بات بھی میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں، وہ دوسروں کے لیے بیان کر دیتا ہوں۔ تو ہمارے ہاں جہلم میں جتنی گفتگو ہوتی ہے، اس کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے کہ جو اپنے لیے چاہتے ہو وہی دوسرے کے لیے چاہو۔

جتنے بھی عنوانات اور جتنے بھی مسائل پر ہم گفتگو کرتے ہیں، ان کا سب سے اہم پہلو یہ ہوتا ہے اور دل میں یہ تمنا اور آرزو بھی ہے کہ ہم سب ایک امت کی شکل میں سامنے آئیں۔ مختلف مسالک اور مختلف مکاتب فکر کی وجہ سے ہم لوگوں میں دو بانٹے پیدا ہو گئے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ــــــ تو اللہ تعالیٰ ہم میں یہ برداشت پیدا کر دے کہ ہم دوسرے کا نقطہ نظر بھی سن لیں اور اسے برداشت بھی کریں نہ کہ اس کا سر پھاڑنے کے لیے تیار ہو جائیں، کیونکہ امت کا جو مفہوم مجھے اب تک سمجھ آیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا گروہ جو اس دنیا میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی حاکمیت کو قائم کرنا چاہتے ہوں اور ان میں باہم کوئی تفرقہ نہ ہو۔ اگر ایسا گروہ موجود ہو مگر ان میں باہمی تفرقہ ہو تو وہ امت نہیں کہلائیں گے۔ اس لیے پوری دنیا میں آج ہماری تذلیل ہو رہی

ہے کہ اب شاید ہمیں امت نہیں کہا جا سکتا، قوم کے طور پر ہمیں پکارا جائے گا۔ مسلمان اب ایک قوم ہیں، امت نہیں ہیں۔ اتنی تفریق ان میں ہو چکی ہے، ہمارے بچے ایک دوسرے سے اتنے دور ہو چکے ہیں، ہماری نفرتیں اتنی بڑھ چکی ہیں کہ شاید اب ہم امت نہیں رہے، بلکہ قوم بن گئے ہیں۔ تو ایک تو ہمارا بنیادی مقصد لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ خدا کے واسطے اپنے آپ کو امت کی شکل میں تبدیل کرو۔

ابھی چند دوستوں نے آپ کو خطبہ حجۃ الوداع کی کاپیاں انگریزی، اردو، عربی ترجمے کے ساتھ تقسیم کی ہیں تو خطبہ حجۃ الوداع۔۔۔۔۔۔ جو کچھ تئیس (23) سال میں اللہ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا، اس کا خلاصہ آپ ﷺ نے اس خطبے میں انسانیت کے لیے مکمل اور بھرپور بیان فرمایا۔ اور یہ واحد چیز ہے، اگر ہم اپنے آپ کو روک لیں اس زمانے تک جب اللہ نے اور اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ آج دین مکمل ہو گیا۔ آج جتنی بدعات ہیں، خرافات ہیں، رسومات ہیں، جتنا تفرقہ ہے، یہ ساری اس خطبے کے بعد کی ہیں۔ تو میری دعا اور کوشش ہے کہ پروردگار عالم ہمیں اس دن تک کر دے جب اللہ کے حبیب ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع فرمایا۔ اس لیے ہم اس خطبے کو چھاپ بھی رہے ہیں اور میں نے خود بھی اللہ کے فضل و کرم سے اس کی توفیق سے اس خطبہ حجۃ الوداع پر تیس (30) لیکچرز دیے ہیں۔ ایک ایک لفظ پر پورا لیکچر دیا ہے، اس لیے کہ یہ اتنی مکمل چیز ہے کہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی کسی انسان کو یا امت کو ضرورت ہو اور وہ اس خطبے میں موجود نہ ہو۔

اور جب اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا "یا ایھا الناس" یعنی اے لوگو! حالانکہ آپ ﷺ کو تو یہ معلوم تھا کہ یہ جو میرے سامنے کھڑے ہیں جو حج کے لیے آئے ہیں، اس میدان میں سارے کے سارے میرے اصحاب ہیں اور مسلمان ہیں، پھر بھی آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو۔۔۔۔۔ "الناس" کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ وہ charter ہے جو تمام عالم اللہ کے حبیب ﷺ نے کل عالم کے لیے فرمایا ہے۔ ایک تو ہمارے ذہن میں یہ



بات آتی ہے کہ مسلمان تو تھے اور بدعات سے دور ہو جائیں، دوسری بات جس میں ہم بہت بری طرح پھنس چکے ہیں اور جس کے لیے میں ابھی مصروف عمل ہوں کہ ہم ساری زندگی اسباب کی تلاش اور تگ و دو میں رہتے ہیں اور جب تھک ہار جاتے ہیں تب مسبب الاسباب سے رجوع کرتے ہیں، آخر میں دعا کرتے ہیں اللہ کو کہ شاید یہ بھی میرا کوئی کام کر دے۔ آج ہم لوگوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ تم نے شادی کرنی ہے، کاروبار کرنا ہے، نوکری کرنی ہے، تعلیم حاصل کرنی ہے، ملک سے باہر سفر کرنا ہے، جو کچھ بھی کرنا ہے ضرور کرو۔ تمہیں کوشش کرنی چاہیے، مگر پہلے مسبب الاسباب سے کہو کہ اے مالک! تو کرم فرما۔ اس سے دعا مانگو، التجا کرو، پھر کام شروع کرو۔ ہم اللہ سے اُس وقت رجوع کرتے ہیں جب کام بگڑ چکا ہوتا ہے۔ تو میری بھی الحمد للہ کوشش یہ ہے، جو لوگوں کو میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں اپنی بساط کے مطابق اور اللہ کی توفیق سے کہ تم مسبب الاسباب سے پہلے رجوع کرو اور اسباب کی طرف بعد میں جاؤ۔

تیسری بات جس کا سامنا ہمیں شدت سے کرنا پڑتا ہے کہ پاکستان میں اور جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں، ہم میں بد اخلاقی بہت بڑھ چکی ہے۔ ہم بہت زیادہ بد اخلاق ہو گئے ہیں، جبکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ "مجھے مکارم اخلاق یعنی اخلاق کو درست کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔" اور اس وقت دنیا میں اگر سب سے زیادہ بد اخلاق ہیں تو ہم مسلمان ہیں۔ ہم لوگ جو یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت رکھتے ہیں، ہم آپ ﷺ کا اتباع کرنے والے ہیں، ہم بڑے اختلاف پر ہیں، کوئی یہ کہتا ہے کہ ہم بڑے توحید پرست ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہم عاشق رسول ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہم اہل بیت کے ماننے والے ہیں۔ ارے بھئی! آپ سب کے claims درست ہیں مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس کو ذرا سی بھی اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہے اور جس کو یہ شرم و لاج ہے، یہ احساس ہے کہ مجھے ناموس مصطفیٰ ﷺ کا خیال رکھنا چاہیے۔۔۔ وہ بد اخلاقی نہیں کر سکتا اور ہم سارے دعوے رکھنے کے

باوجود ہمارے کے سارے بُری طرح بد اخلاقیوں میں ملوث ہیں۔

میں ایک چھوٹی سی بات آپ کو بتاؤں کہ جب انگریزوں کا اس ملک پر قبضہ ہو گیا اور ایک لارڈ جو وائسرائے ہند تھا، وہ ہندوستان میں وارد ہوا تو وہ جامع مسجد دہلی دیکھنے گیا۔ جامع مسجد دہلی میں شروع سے ایک روایت ہے کہ اس کی سیڑھیوں پر بھکاری بیٹھے ہوتے ہیں۔ ایک بھکاری دوڑ کر اس سے بھیک مانگنے کے لیے آگے آیا۔ وائسرائے نے جیب سے پرس نکالا اور اس کو بھیک دی۔ اتفاقاً اس کا پرس سیڑھیوں میں گر گیا۔ وائسرائے اسی دوران میں چند قدم آگے بڑھ گیا اور اس کو پرس گرنے کا علم نہ ہوا۔ بھکاری نے اپنی گدڑی کو فوراً اس پرس پر ڈال دیا تاکہ وائسرائے کو اس کا پرس نظر نہ آئے اور اس پرس کو بھکاری اٹھا کے اپنے گھر بھاگ گیا۔ گھر جا کر بھکاری نے اس پرس کو دیکھا تو اس میں اچھی خاصی رقم تھی۔ تین چار روز کے بعد اس وائسرائے کی بیوی جو ہندوستان آئی تو وائسرائے نے اس کے سامنے ہندوستان کی تاریخی عمارتوں کی بہت تعریف کی، تو اس کی بیوی نے اس سے کہا: "پیارے مہربان! مجھے بھی ان عمارتوں کی سیر کرائیں۔" لہذا جب وہ بیوی کو لے کر جامع مسجد دہلی دکھانے کے لیے آیا تو وہی بھکاری دوڑ کر پھر آگے ہوا۔ وائسرائے نے سمجھا کہ یہ بھیک مانگنے کے لیے آگے ہوا ہے، لیکن بھکاری نے فوراً کہا کہ "صاحب! آج میں بھیک مانگنے کے لیے نہیں بلکہ آپ کا گمشدہ پرس آپ کو لوٹانے آیا ہوں۔" اس نے کہا: "بھئی، کیا تم نے اس کو کھول کر دیکھا ہے؟" وہ بولا: "ہاں کھول کر دیکھا ہے۔ اس میں بہت ساری رقم ہے۔" وائسرائے نے کہا: "پھر بھی تم لوٹانا چاہتے ہو، یہ کیا بات ہے؟" بھکاری نے جواب دیا کہ "جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم عیسائی ہو تو میرے ذہن میں ایک ہی بات آئی کہ اگر میں تیرا مال چوری کروں گا تو روزِ محشر جب ہر پیغمبر کے پیچھے اس کی امت کھڑی ہوگی تو میرے اس فعل کی وجہ سے کہیں میرے رسول ﷺ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔"

اب ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ ہم اپنے رسول ﷺ کو اپنی وجہ سے شرمندہ کروائیں گے یا رسول ﷺ کا سر مبارک میدانِ حشر میں اونچا کروائیں گے۔

میں لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اپنے اخلاق حسنہ کو اتنا بلند کرو کہ نعوذ باللہ ناموس مصطفیٰ ﷺ پر تمہاری وجہ سے آنچ نہ پہنچے۔ خدارا ناموس مصطفیٰ ﷺ کا خیال کرو۔

☆☆☆☆☆

# اللہ الصمد

اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمدللہ، استغفر اللہ۔

جب آپ دوستوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ لاہور میں گفتگو کی ابتدا اللہ الصمد سے کریں تو میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ کسی لفظ کی تشریحات بیان کی جائیں۔ اصل ضرورت تو ہماری یہ ہے کہ ہمارے اخلاق درست ہو جائیں، ہمارے عقائد درست ہو جائیں، ہماری عبادات، ہمارے معاملات درست ہو جائیں۔ تو تشریحات بیان کرنے کا کوئی اتنا بڑا رول نہیں ہوتا جو ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتا ہو۔ بہر حال آپ کی خواہش تھی تو میں نے یہ گوارا کیا اور چاہا کہ آپ کی خواہش کو پورا کر دوں۔

قرآن حکیم میں یہ وہ واحد لفظ ہے "اللہ الصمد" جو صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔ پروردگار عالم کے تمام اسمائے گرامی ذاتی ہوں یا صفاتی، کئی مرتبہ آئے ہیں مگر یہ واحد نام ہے جو صرف ایک مرتبہ آیا ہے یعنی "اللہ الصمد"۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں طالب علم ہوں تصوف کا، صوفی ازم کا، تو میرے نزدیک سارا صوفی ازم صرف دو لفظوں کے اندر ہے۔ تیسرا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس کو ترقی دیتا ہو یا آگے بڑھاتا ہو یا وہ بنیادی علم مہیا کرتا ہو۔ ایک ہے "فنائیت" (فنا) اور دوسرے "صمدیت"۔ یہ دو ہی راستے ہیں جو کسی صوفی کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ تو اس لیے ہم صمدیت کے راستے کو پڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے اور ہماری رہنمائی اور مدد فرمائے اس پر چلنے کی۔

"اللہ الصمد" سورۃ اخلاص میں وارد ہوا ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ اس سورۃ میں اخلاص کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ اخلاص کا مطلب ہے "خالص"۔ خالص یا اخلاص کا





کوئی لفظ بھی اس سورۃ میں موجود نہیں ہے مگر اسکو سورۃ اخلاص کہا جاتا ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اس سورۃ کو سورۃ اخلاص کیوں کہا جاتا ہے؟ اس میں ان تمام باتوں کا ذکر ہے جو خاصتاً اللہ کی توحید کو بیان کرنے والی ہیں اور دیگر جو سورتیں ہیں ان میں احکامات بھی ہیں، متشابہات بھی ہیں، پچھلی قوموں کے ادوار کے حالات بھی ہیں، مگر یہ واحد سورۃ ہے جس میں خاصتاً توحید الٰہی کا ذکر ہے۔ اب سمجھنے کی بات ہے کہ جتنے انسان اس کائنات میں وجود رکھتے ہیں یا تھے یا آئیں گے، ہر انسان اپنی جگہ پر واحد ہے۔ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ انسان کو بھی اللہ نے منفرد اور اکیلا بنایا ہے۔ اگر کبھی اتفاقاً ایسا ہو بھی جائے کہ کسی کی شکل آپس میں مل جائے تو ان کی رنگت میں فرق ہوتا ہے۔ رنگ مل جائیں تو بالوں میں فرق ہوتا ہے۔ بال مل جائیں تو آواز میں فرق ہوتا ہے۔ آواز مل جائے تو خون کے گروپ میں فرق ہوتا ہے۔ خون کا گروپ مل جائے تو فنگر پرنٹس میں فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان اپنی ذات میں تنہا ہے، واحد ہے۔ اور اللہ کی وحدانیت کی یہ اعلیٰ ترین مثال بھی ہے کہ پوری کائنات میں جو اربوں انسان ہیں، ان میں ہر انسان اللہ کی وحدانیت کی مثال ہے مگر ہم اس انسان کو "احد" نہیں کہہ سکتے۔ سورۃ اخلاص میں ہے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" یعنی اللہ ایک ہے۔ مگر انسان کو ہم احد نہیں کہہ سکتے جبکہ اپنی شکل و صورت میں وہ الگ ہے، بلکہ تنہا انسان ہے، واحد ہے مگر احد نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ احد ہونے کے لیے کچھ اور باتیں بھی ضروری ہیں جو اس سورۃ میں پروردگار عالم نے بیان فرمائی ہیں۔

احد ہونے کے لیے "صمد" ہونا ضروری ہے کیونکہ صمد ایک ایسی چٹان کو بھی کہا جاتا ہے جس پر کوئی نہ چڑھ سکے، جو پوری طرح گرفت میں نہ آ سکے۔ اس چھتری کو بھی کہا جاتا ہے کہ جس قوت کے تحت پروردگار عالم نے ساری کائنات کو تخلیق کیا اور خود ایک طرف کھڑا ہو گیا، یا ایک ہالہ ہے جو اس احد نے اپنے گرد تان رکھا ہے، جس کی وجہ سے وہ پردے میں ہے۔ وہ اللہ جس کے مظاہر، جس کا نور، جس کے کرشمے قدم قدم پر

کائنات میں بکھرے پڑے ہیں مگر کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں رکھتا کہ میں نے اللہ کو دیکھا ہے۔ وہ جو اسکا پردہ ہے کہ تمام عالم میں ہر چیز اس کی ملک ہے، اس کے نور کا احاطہ کرنے والی ہے مگر اسکے باوجود کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے اللہ کو دیکھا ہے۔ وہ پردہ ہی "صمدیت" ہے۔ صمدیت میں جو سب سے بڑی بات ہے جس کو ہم لوگ بے نیازی کہتے ہیں، اس ساری سورۃ میں اس کی قدم قدم پر confirmation (تصدیق) ہے۔

اب اگلی بات تو یہ ہے کہ صمد وہ ہوگا جس کی نہ اولاد ہو۔ نہ وہ خود کسی کا بیٹا ہو اس لیے کہ ہم دنیا میں جتنے بھی جذبے رکھتے ہیں، جتنے بھی کاروبار کرتے ہیں، جتنے بھی ہمارے معاملات ہیں، وہ ہمارے کسی رشتے کے تحت ہیں۔ کوئی نہ کوئی رشتہ ہمارا ایسا بن جاتا ہے جس سے منسلک ہو کر ہم ان رشتوں کو نبھاتے ہیں، جس کی وجہ سے ہم بہت سے غلط اور بہت سے اچھے کام کر بیٹھتے ہیں۔ تو اللہ نے اپنے آپ کو اس سے بھی آزاد رکھا۔ اگر اس سے آزاد نہ ہوتا تو یقیناً اس کی صمدیت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ نہ وہ باپ ہے نہ بیٹا ہے، اللہ نے اس بنیادی بات سے خود کو آزاد کر لیا۔ اب صمدیت کی بنیاد کیا ہوئی؟ کہ جہاں کوئی جذبہ، کوئی رشتہ، کوئی خواہش نہ ہو، وہ صمد ہوتا ہے۔ جس میں خواہش موجود ہو، وہ صمد نہیں ہو سکتا۔ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے رب العزت نے فرمایا کہ چاہے میرا شکر کرو، چاہے میرا انکار کرو، مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ جب ہی فرماتا ہے کہ تمہارا شکر کرنا یا تمہارا انکار کرنا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اب یہ سمجھنے والی بات ہے وہ ہمیں حکم دیتا ہے عبادات کا، نمازوں کا، روزوں کا۔ اگر ہم اللہ کے سارے احکامات کو مان لیں، سارے بندے اس کے فرمانبردار بن جائیں تو کیا اس کی حکومت بڑھ جائے گی؟ کیا وہ بڑا اللہ ہو جائے گا؟ کیا اس کی طاقت بڑھ جائے گی؟ بہت زیادہ تعداد میں لوگوں کا اللہ کو ماننے سے کیا فرق پڑے گا؟ اگر ہمارے سب کے سب نیک ہو جانے سے اللہ کو فرق پڑتا ہے تو پھر وہ "صمد" نہیں ہے اور اگر ہمارے سب کے بد ہو جانے سے اللہ کو فرق پڑتا ہے تو پھر بھی اللہ "صمد" نہیں ہے۔





تو صمدیت یہ ہے کہ جس میں غرض، خواہش، آرزو شامل نہ ہو، کوئی جذبہ یا کوئی رشتہ اس کو مطلوب نہ کرتا ہو۔ اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ جو کار عالم میں اگر صمدیت نہ ہوتی تو کائنات کا نظام نہیں چل سکتا تھا، قطعی ناممکن تھا۔ یہ تمام کا تمام نظام رب العزت کی صفت "صمدیت" کے تحت چل رہا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ صمد نہ ہوتا تو آپ سے معاوضہ چاہتا اور کس کس چیز کا آپ اس کو معاوضہ دے سکتے تھے؟ انسان کے لیے تو بہت ہی مشکل ہو جاتا اور اس کی صمدیت کی آپ مثال دیکھیں کہ اللہ فرماتا ہے کہ مجھے اونگھ نہیں آتی، میں سوتا نہیں ہوں، میں کھاتا نہیں ہوں، تھکتا بھی نہیں ہوں۔ اگر اللہ تھک جاتا، کھانا کھانے کے لیے چلا جاتا، سو جایا کرتا تو وہ جو چوبیس گھنٹے موجود ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھے پکارو، میں ہر وقت حاضر ہوں۔ کیا ایسا ممکن رہتا؟ ہرگز نہ رہتا۔ تو اس نے بنیادی صمد پر اپنے آپ کو صمد اس لیے بنایا اور وہ اسی لیے صمد ہے کہ وہ آپ سے بے غرض ہے۔ اس کی احتیاج کوئی نہیں ہے، چوبیس گھنٹے کا عرصہ وہاں پر موجود ہے اور آپ کو کہہ رہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہیں دوں گا۔ مجھے پکارو، میں سنوں گا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی حسین بات فرمائی کہ "ہمارا اللہ تو وہ اللہ ہے جو ایک کالی سیاہ رات میں، کالے سیاہ پتھر پر کالی سیاہ چیونٹی کی آواز بھی سنتا ہے اور اس کو دیکھتا بھی ہے اور اس کی ضرورتیں بھی جانتا ہے۔" صمد کی تو یہ وسعت ہے اور وہ بے غرض ہوتا ہے۔ سورج جو فصلیں بھی پکاتا ہے، آپ کو گرمی بھی مہیا کرتا ہے، آپ کو روشنی بھی مہیا کرتا ہے اور سمندروں سے اور دریاؤں سے بھاپ بنا کر پانی کو اٹھاتا ہے، کیا آپ سے کچھ چاہتا ہے؟ کسی نے بھی سورج کو اس کا معاوضہ دیا؟ وہ چاند جو آپ کی راتوں کو ٹھنڈک دیتا ہے، وہ ستارے جو صحراؤں میں چلنے والوں کی، پہاڑوں اور جنگلوں میں سفر کرنے والوں کی رہنمائی کرتے ہیں، ان چاند ستاروں نے بھی آپ سے کوئی معاوضہ مانگا؟ یہ جو آبشاریں بہتی ہیں، یہ جھرنے پھوٹتے ہیں، یہ دریا بہہ رہے ہیں، انہوں نے بھی آپ سے کوئی معاوضہ مانگا؟ وہ خوبصورت پرندے جن کے حسین

رنگ آپ کو ذہنی سکون مہیا کرتے ہیں، جس کی سمندر کی آوازیں آپ کے دلوں کو گرما دیتی ہیں۔ انہوں نے کبھی آپ سے کوئی معاوضہ مانگا؟ کوئی ہے، کوئی کہہ سکتا ہے یا بتا سکتا ہے؟ یہ سارے کے سارے مظاہر فطرت ہیں۔ یہ زمین جو آپ کو دنیا کی ہر نعمت مہیا کر رہی ہے ہر قسم کی خوراک آپ کو دے رہی ہے، آپ کا لباس آپ کو دے رہی ہے۔ آپ کے رہنے کے مکان آپ کو دے رہی ہے۔ دنیا کی انواع و اقسام کی ہر وہ چیز جو آپ کی ضرورت ہے، وہ زمین آپ کو دے رہی ہے۔ کیا زمین نے آپ سے کبھی کوئی معاوضہ مانگا؟ کوئی کہہ سکتا ہے؟ یا زمین نے کبھی اپنا کام ترک کر دیا ہو یا پہاڑ ہیں یا درخت ہیں یا پودے ہیں یا پھول ہیں یا پھل ہیں۔ انہوں نے کبھی بھی کسی سے معاوضہ نہیں چاہا مگر یہ تمام اپنی کلیاں، اپنی خوشبو میں، اپنی طراوت کو ارض پر بکھیر رہے ہیں تو یہ سارے کے سارے مظاہر ہیں صمدیت کے، کہ جس کے پاس عطا ہی عطا ہے، بدلہ نہیں ہے۔ جو معاوضہ نہیں چاہتا۔ تو دیکھا...... اور نہ بدلہ، معاوضہ نہ چاہنا، خواہش نہ رکھنا یہ صمدیت ہے۔

تو یہ جتنے مظاہر فطرت ہیں، یہ پروردگار عالم کی صمدیت کے انداز ہیں۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو آپ یقین کریں وہ سب کچھ نہ ہوتا۔ ربوبیت یعنی پالنے والی جو بات ہے وہ بھی صمدیت ہی کے زمرے میں آتی ہے ورنہ اللہ کو تو ایسا چاہئے تھا کہ جو اس کا شریک ٹھہرانے والے ہیں، جو بتوں کی پوجا کرنے والے ہیں، جو اللہ کو سرے سے نہ ماننے والے ہیں ان کی ماؤں کی چھاتیوں میں دودھ نہ دیتا، ان کی فصلیں پکنے نہ دیتا، ان کی گائے بھینسوں کے ہاں دودھ نہ ہوتا، ان کے کھیت ویران ہوتے، وہ سارے لوگ اپاہج ہو جاتے، ان کے ملکوں میں بارشیں نہ ہوتیں لیکن رب ایسا کرتا تو اس کو رب کون مانتا؟ تو صمدیت یہ ہے کہ آپ کے اعمال پر غور کیے بغیر اپنی رحمتیں آپ پر جاری و ساری رکھے۔ آپ کی بداعمالیوں کی وجہ سے، اللہ کو شریک ٹھہرانے کی وجہ سے ظلم و زیادتیاں کرنے کے باوجود اپنی جو نعمتیں اس نے آپ کے لیے پیدا کر رکھی ہیں ان میں کمی نہ کرے۔ اس طرح کا غصہ اس کو نہیں آتا کہ یہ نعمتیں آپ سے روک لے۔





جو آپ کے گناہگار ہونے کے باوجود، غیر فرمانبردار ہونے کے باوجود اپنی نعمتوں کو آپ سے نہیں روکتا، وہی صمد ہے اور یہی صمدیت ہے اس کی کہ وہ تمام نافرمانیوں کے باوجود آپ کو ساری نعمتیں عطا کر رہا ہے اور اگر اس کے اندر غرض موجود ہوتی تو پروردگار صرف انہیں کو عطا کرتا، خوشیاں اور کامیابیاں صرف اللہ کو ماننے والوں کو عطا کرتیں۔۔۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں جو کہتے ہیں کہ جناب میں پانچ وقت کی نماز بھی پڑھتا ہوں، قرآن بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، حج بھی کر آیا ہوں مگر میرے روزگار میں اضافہ نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ بھئی اللہ نے کب کہا ہے کہ یہ کام کرو گے تو تمہارا رزق بڑھا دوں گا، یہ تو اس کے احکامات ہیں جو تمہیں پورے کرنے ہیں اور اللہ کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے، کوئی عبادت ایسی نہیں ہے، لا شریک ماننے سے لے کر اور حج تک کہ جو ساری کی ساری اس کے فائدے کے لیے نہ ہوں۔ اللہ کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اللہ کی تو نہ عظمت بڑھتی ہے نہ عظمت کم ہوتی ہے۔ وہ تو اتنا ہی بڑا اللہ ہے جتنا پہلے سے ہے، وہ تو قائم رہنے والی ذات ہے۔ وہ اول بھی ہے، آخر بھی ہے، ظاہر بھی ہے، باطن بھی ہے۔ اس کو آپ کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ آپ کی عبادت و نیکیوں کی وجہ سے آپ کا رزق بڑھ جائے۔ پھر تو گناہگار بھوکا ہی مر جائے گا، لہٰذا اللہ کے رویے میں آپ کی نیکی یا بدی کچھ فرق نہیں لاتی۔

اسی صمدیت کے علاوہ سے تو وہ صمد ہے جو ہمارے اعمال کی وجہ سے اپنی نعمتوں میں کمی نہیں کرتا۔ وہ تو بے غرض دینے والا ہے، بے نیاز دینے والا، سب کو دینے والا، سب کو پالنے والا وہی صمد ہے اور کوئی انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے، کتنا ہی بڑا صوفی کیوں نہ بن جائے، کتنا ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو جائے، وہ مکمل صمدیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لیے اس کو سورۃ اخلاص کہا گیا ہے۔ اس میں توحید کا وہ بیان ہے کہ جس کو مخلوق کبھی اپنا نہیں سکتی۔ اگر کوئی انسان یہ کہے کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا، میں سوؤں گا نہیں

تو چند دنوں کے لیے ایسا کر سکتا ہے۔ سانس کے لیے کر لے۔ شاید ایسے لوگ موجود بھی ہوں مگر یہ سب کچھ انسان ہمیشہ کے لیے نہیں کر سکتا۔ اسکی احتیاج موجود رہتی ہے۔ اگر پھر بھی ان تمام چیزوں پر قابو پا لے تو اسکو سانس لینے کے لیے آکسیجن کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے۔ ایک احتیاج موجود ہے۔ یہ اس کی ایک ضرورت ہے۔ جو اس کو کسی بھی صورت میں واصل نہیں ہونے دیتی۔ اللہ کو تو سانس لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ صمد ہے۔ تو انسان کبھی صمد نہیں ہو سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ کی وہ خوبی، وہ صفت جس کو مخلوق کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتی۔ اللہ کی سب سے بڑی صفت "صمدیت" ہے اور وہ اللہ ہی کے لیے اللہ واحد ہے کہ صمد ہے۔ اس کی اولاد نہیں ہے۔ اس کا ثانی نہیں ہے۔ اسی لیے پڑھتے ہیں ہے کہ آپ اس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ اس کی کوئی شبیہ قائم نہیں کر سکتے۔ کوئی نبی کا ولی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ اس شکل کا ہے۔ یہ جو بڑے بڑے ولی اللہ جن کے حوالے دیتے ہیں، وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے۔ وہ کسی شکل کا محتاج نہیں ہے۔ تو صمد وہ ہے جس پر کسی قسم کی کوئی حاجت یا احتیاج حاوی نہ ہو سکتی ہو جو ان چیزوں سے مبرا ہو۔

مگر دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اللہ جب کسی شخص پر احسان کرتا ہے تو اس پر اپنی اس بڑی "قوتِ صمدیت" سے کارفرمائی کرتے ہوئے تھوڑی سی صمدیت پیدا کر دیتا ہے.......... تھوڑی سی۔ آپ ملاحظہ کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم ﷺ تک کوئی نبی یا پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے یہ نہ کہا ہو کہ "اے لوگو! میں نے تمہیں اللہ کا جو پیغام پہنچایا ہے۔ مجھے اس کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہیے۔" یہ الفاظ ہر نبی کو کہنے پڑتے اور یہی صمدیت کی ایک عملی سی مثال ہوتی ہے کہ جہاں معاوضہ اور غرض آپ میں سے نکل جائے، وہاں صمدیت کی عملی سی جھلک نظر آتی ہے جو ہر پیغمبر کو رب العزت نے عطا فرمائی۔ کوئی پیغمبر اس سے باہر نہیں ہے۔ پھر آپ ملاحظہ کریں کہ جب لوگ نئے نئے مسلمان ہو رہے تھے۔ اس زمانے میں حضور اکرم





ﷺ لوگوں کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے اور بہت دیا کرتے تھے۔ تو ایک بدو آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس بہت سی بکریاں بندھی ہیں۔ تو اس نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ "یا رسول اللہ ﷺ یہ بکریاں مجھے دے دیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "سب لے جاؤ۔" جب وہ اپنے قبیلے میں پہنچا تو اس نے قبیلے والوں سے کہا کہ "وہ تو ایسا نبی ہے جس کو غریب ہونے کا بھی ڈر نہیں ہے۔ اس نے تو سارا ریوڑ ہی مجھے حوالے کر دیا ہے۔" تو جس کو غریب ہو جانے کا ڈر نہ ہے، جو کہ ہر انسان کا بھی ڈر رہتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کی صمدیت ہے۔ وہ کسی قسم کا معاوضہ بھی نہیں چاہتا۔

اب آپ تھوڑا سا دیکھیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فاتح ہونے کے باوجود کسی بھی شخص سے انتقام نہ لیا۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے　　　شانہ مبارک پر اوجھڑیاں رکھ دیں، جنہوں نے آپ ﷺ کو پتھر مارے، جنہوں نے آپ ﷺ کو گھر سے بے گھر کر دیا، آپ ﷺ کی بیٹیوں کو ستانے کی کوششیں کیں، آپ ﷺ کو بیٹے دیے کون سا ایسا قبیح کام رہ گیا تھا جو ان لوگوں نے نہیں کیا مگر آپ ﷺ نے ان کے باوجود سب کو معاف فرما دیا۔ تو یہ بھی صفت صمدیت ہی کے تحت ہے۔ کسی معاوضے کیلئے معاف نہیں کیا، بلکہ اس سے بے غرض ہو گئے۔ ایسی حالت کے جذبوں سے مغلوب نہیں ہوئے، اپنے اندر کے غصے سے مغلوب نہیں ہوئے۔ ان پر ان کا غلبہ ان کی محبت اور عادات غالب نہ پا سکے۔ تو جب کسی برگزیدہ انسان میں ایسی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو یہ بھی صمدیت ہی کا ایک روپ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ سب نا ممکن ہے اور کوئی بھی پیغمبر ایسے نہیں گزرے کہ جنہوں نے کسی بھی اچھے کام کے لیے معاوضہ چاہا ہو، مانگا ہو یا اس کی خواہش بھی کی ہو۔ اسی طرح ان کے بعد بھی جتنی برگزیدہ ہستیاں گزری ہیں، انہوں نے لوگوں کو اس صفت صمدیت کا مفہوم سمجھانے کی بھرپور کوشش کی ہے کیونکہ جب تک صفت صمدیت آپ کے اندر موجود نہ ہو جائے، آپ مخلوق کے لیے نفع کا باعث نہیں ہو سکتے، مخلوق کی خدمت نہیں کر سکتے۔ مخلوق کی خدمت کے لیے آپ کے اندر صمدیت کا تھوڑا سا

ضرور ہوتی ہے۔ صمدیت ممکن ہی نہیں۔

آپ ملاحظہ کریں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک یہودی کے ہاں مزدوری کر کے کچھ اجرت لے کر آئے اور اس کا آٹا پسوایا۔ اس کو گوندھنے لگے۔ عین اسی وقت ایک سائل آ گیا جس نے سوال کیا کہ میں بھوکا ہوں۔ آپ نے وہ سارا آٹا اس کو دے دیا اور خود پھر فاقے سے ہو رہے۔ تو یہ دوسروں کو کھلانے اور خود بھوکا رہنے والی صفت صمدیت سے منسلک ہوتا ہے۔

ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے نماز ادا کی۔ اسی مسجد میں ایک اور شخص پہلے سے عبادت میں مصروف تھا۔ آنے والے شخص نے سوال کیا کہ "میں پردیسی ہوں۔ کیا یہاں کچھ کھانے کو مل جائے گا؟" پہلے شخص نے جواب دیا "ضرور مل جائے گا۔ وہ جو سامنے گلی میں گھر ہے وہاں چلے جاؤ۔" مسافر وہاں چلا گیا اور اس نے وہاں دو تین قسم کا کھانا اٹھا کھایا۔ جب وہ کھا چکا تو کہنے لگا "میری طرح کا ایک اور بھوکا مسجد میں بیٹھا ہوا ہے اس کے لیے بھی دے دو۔" جواب ملا "یہ اسی کا لنگر چل رہا ہے۔" یعنی وہ کون تھے۔۔۔۔۔؟ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو امام خود بھوکے بیٹھے ہیں اور لنگر چل رہا ہے۔ یہ وہی چاہے گا جس میں صفت صمدیت سمو جائے گی۔ جو اللہ کی اس صفت کو پہچانے گا وہ بھوک اس کو مغلوب کر دے گی۔ تو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لنگر چل رہا ہے اور خود بھوکے بیٹھے ہیں۔

علی احمد علاؤ الدین صابر پیا رحمۃ اللہ علیہ کلیر شریف والے جن کا نام علی صابر رکھا گیا، نام تو ان کا علی احمد علاؤ الدین تھا۔ آپ بارہ سال اپنے ماموں بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر تقسیم کرتے رہے مگر ایک وقت بھی اس میں سے نہ کھایا۔ غرض نہیں رکھی۔ ایک ہی مثال دنیا میں قائم کر دی۔ تو جس میں کچھ ہی سہی یہ صفت صمدیت سمو جائے، وہ یہ کر کے دکھاتے ہیں کہ جنگلی درختوں سے پھل کھا لیے مگر لنگر سے نہیں کھایا کہ وہ تقسیم کرنے کے لیے تھا اور خود بھوکے رہے۔





آپ دیکھیں کہ یہ اللہ کے محبوب لوگ، اس کے پیارے برگزیدہ لوگ، اس انداز میں اس چیز کا اظہار کرتے اور سکھاتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو وصیت فرماتے ہوئے کہا کہ "سن لو کہ کوئی شخص اس وقت تک درویش نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک اس کی تذلیل کرنے والا اور تعریف کرنے والا برابر نہ ہو جائیں۔" تو بے غرض ہو گئے تذلیل سے بھی اور عزت سے بھی۔ یہ جو بے غرضی ہے نا۔۔۔۔۔ یہی صمدیت ہے اور اب میں یہ کہتا ہوں کہ رب کی پالنے والی ہے تو اس میں بنیادی قوت صمدیت کی ہے۔ اس کا اظہار آپ دیکھیں کہ آپ کی ماں کو اللہ نے اتنا مرتبہ دیا ہے۔ وجہ کیا ہے کہ صمدیت اس کے اندر سمو جاتی ہے کیونکہ وہ رب کی طرح پالتی ہے۔ اگر بچے نے پیشاب کر دیا بستر گیلا ہے تو خود گیلے میں پڑ جاتی ہے اور بچے کو سوکھے پر لٹا دیتی ہے۔ خود تکلیف اٹھا کے آپ کو سکون پہنچا رہی ہے۔ خود جاگ رہی ہے آپ کو سلا رہی ہے۔ خود بھوکی ہے مگر آپ کو دودھ پلا رہی ہے۔ یہ وہ صفات صمدیت ہیں جو پروردگار عالم ہر لمحے ہمیں دکھاتا ہے۔ ہمیں ہمیشہ نیند سلاتا ہے، کیا اللہ سوتا ہے؟ ہمیں انواع و اقسام کے کھانے کھلاتا ہے۔ کیا اللہ کھاتا ہے؟ کون سی ایسی نعمت ہے جو اللہ ہمیں نہیں دیتا۔ ہمیں تو دیتا ہے مگر خود نہیں لیتا۔ تو ماں بھی صفت صمدیت کی ایک مثال ہے۔ کسی حد تک یہ صفت اس میں سمو جاتی ہے۔ اسی لیے اس کا اتنا بڑا مرتبہ ہے کہ قرآن میں اس کی فرمانبرداری کا حکم ہے۔ ان چار میں سے ایک ماں بھی ہے اور وہ چار ہیں: اللہ کی فرمانبرداری، اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری، ماں کی فرمانبرداری اور اولی الامر کی فرمانبرداری۔ ان سب میں صفت صمدیت لازمی موجود ہوتی ہے۔ ماں بچے کی پرورش ہی نہیں کر سکتی اگر اس کی اپنی ہی غرض ہر وقت موجود رہے گی اور اس طرح شاید وہ ماں کے درجے پر بھی فائز نہ رہے۔

صوفیوں کا وطیرہ یہ ہے کہ بچے بھی سوتی کر رہے ہیں یا ہوں گے، وہ نہ جنت کے حصول کے لیے نہ دوزخ کے خوف سے اور نہ کسی لالچ میں عبادت کرتے ہیں۔

وہ اپنے اللہ کی عبادت صرف اور صرف اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی رضا کی خاطر کرتے ہیں، بے غرض ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو ان میں صفت صمدیت ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس سے متصف ہوتے ہیں تو پھر اسے برگزیدہ بنتے ہیں۔

اب آپ اپنی زندگی کو دیکھیں، سورۂ اخلاص کی تفسیر پر غور کریں ہے جو اس کی بنیاد کو کھولے۔ ہم دوست اس بندے کو بنانا چاہتے ہیں جو ہمارے لئے بڑا مخلص ہو۔ مخلص کون ہے؟ جو آپ سے پیار تو کرتا ہو مگر آپ سے غرض نہ رکھتا ہو، آپ ایسے دوست کو پسند کرتے ہیں، اس کو مخلص کہتے ہیں۔ یہی تو اس "صمد" کی خوبی ہے کہ وہ آپ سے پیار تو کرتا ہے مگر آپ سے غرض نہیں رکھتا۔ یہ روزی کی چکی چلتی آسمان کی وسعت ہے۔ ہم معاشرے میں ہم سب غفلت سے ہیں، دیکھ رہے ہیں، کر رہے ہیں کہ ہم اس کو دوست کہتے ہیں جو ہم سے کوئی غرض نہ رکھتا ہو، اخلاص رکھتا ہو، خلوص رکھتا ہو، محبت رکھتا ہو۔ تو پروردگار عالم کی یہی صفت صمدیت ہے کہ وہ آپ سے محبت تو رکھتا ہے، غرض نہیں رکھتا، اس کے تحت آپ کو پال رہا ہے۔ تو اللہ کا اس کائنات کو چلانا، بنانا، آپ کو پالنا، آپ کو تمام نعمتیں مہیا کرنا اور پھر یہ کہنا کہ چاہو تو میرا شکر کرو اور چاہو تو میرا انکار کرو، تو یہ اس کی صمدیت ہے۔ یہی وہ بلندی ہے، یہی وہ بلندی ہے کہ جس پر کوئی پہنچ نہیں سکتا اور یہی اس کی سرداری ہے کہ جس کو کوئی پہنچ نہیں کر سکتا اور یہی وہ پردہ ہے کہ جس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا اور یہی وہ چھتری ہے کہ جس کی رحمت (صمدیت) کے سائے میں ساری کائنات آج پل رہی ہے اور پروان چڑھ رہی ہے۔ اس لئے تصوف کی بنیاد اور صوفیا کا فکر یہ ہے کہ اپنے اوپر خواہشوں کو حرام کر لو، ترک خواہشات کر دو۔ جس نے ترک خواہشات کیا وہی صوفی ہو سکتا ہے، دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ جنت سے آدم علیہ السلام کو کس نے نکلوایا، وہ بھی خواہش ہی تھی۔ شیطان نے اس سے کہا کہ یہ بڑی عمدہ جگہ ہے، میں تجھے ایسا درخت بتاتا ہوں جس کا میوہ کھالے تو پھر ہمیشہ زندگی میسر کرے گا اور مستقل سکونت بھی کرے گا۔ تو خواہش پیدا کر دی گئی اور

خواہش نے آدم علیہ السلام کو ان کے مقام سے معزول کر دیا۔

اللہ اسی لئے صمد ہے، یہی اسے اول و آخر ہے، اسی لئے ہر چیز کا مالک ہے کہ اس طرح کی خواہش اپنے اندر نہیں رکھتا۔ تو درویش بڑا وہی ہو گا جس کی خواہشیں کم ہوں گی اور جتنی خواہشیں کم ہوں گی، اتنا ہی اسے قرب الٰہی حاصل ہو گا۔ تو اسی لیے ہم نے جو اپنے لیے ذکر بتایا اور جو جملہ میں ہمارے ہاں میں آ رہا ہے وہ اللہ الصمد ہے کہ پروردگار عالم اپنی اس صفت میں سے ہمیں بھی تھوڑا سا عطا کر دے اور ہم میں یہ بے نیازی آ جائے اور جو خدمت اللہ ہم سے لے رہا ہے اس کے بدلے کسی قسم کا کوئی معاوضہ، کسی مقام کی خواہش یا کسی تعریف و تحسین کی خواہش ہمارے دلوں میں نہ آئے۔ خالصتاً محبت کریں، اس کا کوئی معاوضہ نہ چاہیے اجر۔

ہم عبادت بھی اللہ سے غرض کے لیے کرتے ہیں کہ بیٹی پیدا ہو جائے، بیٹا پیدا ہو جائے، شادی ہو جائے یا کاروبار چل جائے، صحت ٹھیک ہو جائے، بیٹا واپس چلا جائے، اللہ جنت دے دے، اللہ دوزخ میں نہ ڈالے۔ ساری عبادت کا محور یہ اغراض ہیں مگر اپنے لیے یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں ایسا دوست ملے جو کوئی غرض ہم سے نہ رکھتا ہو اور اللہ کے لیے یہ چاہتے ہیں کہ ساری اغراض اس سے پوری ہوں۔ ہمارا دوہرا معیار (double-standard) ہے۔ صمدیت کا تو تقاضا یہ ہے کہ سب کچھ کرو، مگر غرض نہ رکھو۔ یہی مالک آپ سے کہہ رہا ہے کہ آپ کو ساری نعمتیں دے رہا ہے، مگر غرض نہیں رکھتا۔ ایک شخص نے نعمتوں کے حوالے سے مجھ سے ایک بات کی تو میں نے کہا دیکھو، اللہ کی شان اور حکمت ہے کہ جو اس کی نعمتیں ہیں، اس نے اس کی قدر و قیمت نہیں رکھی، ورنہ اس کی غریب تک رسائی مشکل ہوتی۔ اس سے محروم رہتی۔ اب دیکھیں نعمت "بھوک" ہے، نہ کہ قیمتی کھانا۔ اگر آپ کو بھوک نہیں ہے تو آپ ایک نوالہ نہیں توڑ سکتے، کھا ہی نہیں سکتے۔ اس دسترخوان کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھا سکتے تو بھوک اس نے سب کو بانٹ دی ہے۔ غریب، امیر، صدیق، مسلمان کی اور ماننے والے یا نہ ماننے والے کی کوئی

نعمتیں نہیں رکھی، سب کو بھوک دے دی ورنہ کوئی کھانا آپ کے لیے لذت نہ رکھتا۔ بھوک نہ ہو تو جو مرضی پکوان پکا لیں، آپ کو اچھا ہی نہیں لگے گا۔ نعمت اللہ نے "نیند" میں رکھ دی، وہ آرام دہ بیڈ روم اس میں خوشبو بھی چھڑکی ہوئی ہو، ائیر کنڈیشنر بھی چل رہا ہو، بہت اعلیٰ قسم کے گدے بھی ہوں، وہ نعمت نہیں ہیں بلکہ نعمت وہ نیند ہے جو ایک پتھر توڑنے والے کو کڑکتی دھوپ میں سڑک پر بھی آجاتی ہے۔ اللہ نے فرق نہیں رکھا، یہی صمدیت ہے۔ اس کی نعمتیں اس نے بغیر قیمتوں کے بانٹی ہیں۔ آپ جو مرضی کر لیں مگر اس کی نعمتوں کو روک نہیں سکتے۔ یہ بادلوں کا چھانا، گرجنا، برسنا، اس کے نظارے، یہ ہوائیں، یہ آبشاریں، یہ پرندوں کا چہچہانا، ان کو ہر امیر و غریب کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ یہ نعمتیں سب کی ہیں اور آپ اس پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتے نہ کوئی حکومت لگا سکتی ہے نہ کوئی گروپ لگا سکتا ہے، یہی صفت صمدیت ہے کہ اپنی نعمتیں دے کر وہ آپ سے مانگتا کچھ نہیں۔

تو یہ کتنے کی بات ہے کہ نعمتیں وہ ہیں جو بغیر قیمت کے ہیں۔ جو چیزیں قیمتاً مل رہی ہیں، وہ نعمت تک پہنچنے کے راستے ہیں جن میں لوگ الجھ کر رہ گئے ہیں۔ نعمت بستر نہیں ہے۔ آپ لاکھوں روپے کا بیڈ روم بنا لیں اور نیند آپ کو نہ آئے، آپ نعمت سے محروم ہیں۔ دنیا کے لذیذ ترین خوشبودار کھانے پکا لیں، بھوک نہیں لگتی، کھا نہیں سکتے، نعمت سے محروم ہیں۔ دھوپ میں بیٹھیں تو چہرے پر دانے نکل آتے ہیں، الرجی ہوگئی ہے۔ آپ دھوپ سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے، نعمت سے محروم ہیں۔ نعمتوں کی قدر و قیمت تو اس نے یہ معاوضہ رکھی ہے ورنہ ان کی اگر کوئی مادی قیمت ہوتی تو نعوذ باللہ اللہ ظالم ٹھہرتا، پھر اللہ صمد نہیں رہ سکتا تھا۔

اس کی صمدیت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام نعمتیں اس نے مساوی بانٹ دی ہیں اور دیکھیں کہ پیغمبر بھی ویسے ہی پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ایک عام انسان اور اسی طرح دنیا سے گزر کر جاتا ہے جیسے کوئی دوسرا عام انسان۔ اس میں کسی کے لیے کوئی تخصیص اس نے الگ





نہیں رکھی، اس لیے کہ تخصیص تو وہ تب کرتا اگر آپ سے کوئی معاوضہ چاہتا اور یہ معاوضہ نہ چاہنا ہی صمدیت ہے۔ سب کچھ دینا اور بدلے میں کچھ نہ چاہنا ہی صمدیت ہے۔

تو ایک اللہ کی عبادت اور رسول اکرم ﷺ کی محبت اور ہر طرح سے مخلوق کی خدمت ہی عاقبت ہے۔ مخلوق میں اس کے چرند، پرند، درند، جانور سب آتے ہیں، صرف انسان ہی نہیں، جس کا اظہار اللہ کے کامل بندے (رسول اکرم ﷺ) نے کائنات میں کیا، جو اللہ کے بعد سب سے معتبر ہیں۔ آپ ﷺ دشمن سے جنگ کے لیے نکلے ہیں، دشمنوں کی فوج ہے، عداوت کرتے ہیں، جنگ سر پر مسلط، اس موقع پر دیکھا کہ ایک کتیا نے بچے دے رکھے ہیں تو وہاں سپاہی مقرر کر دیے کہ اس کا دھیان رکھو کہ پاس سے گزرنے والے سپاہی اسے تنگ نہ کریں۔

تو ہم تو ان ﷺ کے پیروکار ہیں، ان ﷺ کو اپنا رہنما اور رہبر ماننے والے ہیں تو خدا کے لیے تھوڑی سی بہت صفت صمدیت رتی بھر ہی اپنے اندر پیدا کر لیں تو یہ ساری کائنات گلزار بن جائے اور یہ معاشرہ، فلاحی معاشرہ بن جائے گا۔

جو میرے علم میں اس حوالے سے تھا، وہ میں نے آپ کے گوش گزار کر دیا۔ پھر بھی کوئی کسی قسم کا ابہام رہ گیا ہو تو یاد رکھیں کہ اللہ فرماتا ہے کہ ہر علم والے پر ایک علم والا ہے، یعنی کوئی علم والا مکمل نہیں ہے اور پروردگار عالم نے اس بات کو سمجھانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ کلام پاک میں کیسے بیان فرمایا کہ اپنے ایک پیغمبر کو اپنے ہی ایک بندے کے ذریعے بہت ہی خوبی سے بات سمجھا دی ہے تاکہ یہ بات طے ہو جائے کہ ہر علم والے پر ایک علم والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے ان بنیادی باتوں کو سمجھنے کی اور صفت صمدیت کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ اللہ بے نیاز ہے، کافی نہیں ہے بلکہ ہماری تمام زندگی اس پر محیط ہے۔

☆☆☆☆

## باتیں ہو رہی ہیں صاحب کتاب کی.....

[illegible]

[illegible]

[illegible]

